

وہی اور مغربی و استشراقی فکر۔ ایک جائزہ

* محمد شہزاد نجفی

** محمد ریاض محمود

Abstract

It is an undeniable fact that the entire magnificence of the religion and to act upon its commandments depends only upon the acceptance of Wahi (Revelation). Orientalists and Western writers feeling the extraordinary importance of revelation in Islam, likewise other aspects of Islam, have made it the target of their prejudiced criticism. Though they have been present different conceptions in the different periods but they have unanimously been opined that the prophet of Islam had no external source of revelation. In this article it is concluded that revelation is the very need of humanity and it also can not be denied rationally. Revelation came to the prophets in an extraordinary protected and guarded way. So to say that they may be incorrect in its interpretation is totally wrong. Revelation is not a natural ability but reveals upon the prophet externally. This fact is not only verified by the revealed books but also conceivable by reason. Why not the orientalists, denying Prophet Muhammad's revelation, think, that he is not the first and alone in this regard, it has also been revealed upon Moses and Jesus etc, prophets of their own! To ignore this fact clearly proves that they are not but prejudiced in their thesis.

قرآن کے ارشادات اور حضور کے احکامات نے ان کے مخاطبین کے اندر جو عظیم الشان انقلاب برپا کیا۔ وہ سارے کاسارا اس تصور پر ہی ہے کہ یہ ارشادات و احکامات خداوندوں کے عطا کردہ ہیں، جو حکیم مطلق اور انسان کے حوالج و ضروریات سے خود اس کی اپنی ذات سے بھی کہیں زیادہ آگاہ ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ وہ خود آگاہ ہی نہیں بلکہ وہی خدا آگاہ ہے، جو بذریعہ وہی اس کی رہنمائی فرماتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت میں کچھ کلام نہیں کہ دین

* استشراقی و فرقہ، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

** پیچر، گورنمنٹ پوسٹ گرینجواہیٹ اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ

کی ساری عظمت و جلالت اور اسکے احکامات و فرایمن پر عمل و حی الہی ہی کو تسلیم کرنے پر موقوف ہے۔ مستشرقین اور مغربی اہل فکر، جن کا عمومی طور پر اسلام سے متعلق تعصب ظاہر و باہر ہے، نے اسلام میں وحی کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر، دیگر امور کی طرح اسے بھی اپنے متصبناہ نقد کا ہدف بنایا۔ اگرچہ مختلف ادوار میں اور مختلف افراد کی جانب سے مختلف خیالات کا اظہار کیا گیا، تاہم پیغمبر اسلام ﷺ پر زوال وحی کو تسلیم کرنے سے گریزان کے مشترک موقف کے طور پر ہر جگہ واضح طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔ ذیل کی سطور میں وحی کے ٹمن میں مستشرقین کے خیالات سامنے لا کر ان کا علمی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یورپ میں علم و سائنسی کی ترقی کے نتیجے میں قدیم کلیسا می نہ ہی عقائد و تصورات کے خلاف شدید ردعمل پیدا۔ نہب گریز رجනات انتہائی تیزی سے فروغ پاتے گئے۔ ہر عقیدہ اور مسئلہ کو میزان عقل پر تولا جانے لگا۔ نہب کو عقلی و سائنسی اور تاریخی تقدیم کے اصولوں کا سامنا ہوا۔ تعلیم یافتہ افراد میں ہر اس چیز کا انکار ایک فیشن بن گیا جو محسوسات سے مادرایا عقلی و سائنسی طور پر ثابت نہ ہو۔ نہ ہی عقائد و تصورات کو غیر ضروری قرار دیا جانے لگا۔ (1) لوگوں کی توجہ حیات اُخروی سے حیات دنیوی اور کائنات سے مادیات کی طرف منتقل ہو گئی۔ (2) رفتہ رفتہ نوبت بایس جاری سید کہ فلسفہ مغرب اور مغربی اہل فکر مابعد طبعی حقائق کے انکار میں انتہائی غلو سے کام لینے لگے۔ دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ عقیدہ وحی بھی ہدف تنقید بنا اور اہل نہب کا ایک خرافاتی اور خلاف عقل عقیدہ قرار پایا:

“ The necessity of Divine Revelation is a pure theological figment utterly opposed to reason” (3).

سرحدِ عقل سے پرے کسی علم کی طلب و ضرورت لا یعنی ٹھہری اور انسان کے لیے وحی کی ضرورت کا نہ ہی استدلال پر یہاں خیالی سے تحریر کیا جانے لگا:

“ Reason and experience forbid the expectations that we can acquire any knowledge otherwise than through natural channels. To complain that we do not know all that we desire to know is foolish and unreasonable” (4).

مذکورہ بالا خیالات اگرچہ سیکولر اہل فکر کے خیالات سمجھے جاتے تھے اور اہل نہب اور پادری ان پر چیل بھی جیسی ہوتے تھے، تاہم رفتہ رفتہ علم و سائنس کی زور دار ہر نے اہل نہب کو بھی اپنی پیٹ میں لے لیا۔ اب اہل

وچ اور مغربی و استری اقیانوسی۔ ایک جائزہ

مذہب کے لیے جدید سیکولر علم سے بے نیاز رہ کر مذہبی عقائد تصورات کی تشریح تقریباً ناممکن ہو گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے علمائے مذہب نے نیا انداز فکر اپنایا اور اپنے علم باابل (Biblical knowledge) کو جدید غیر مذہبی علم (secular knowledge) سے ہم آہنگ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن یہ مسیحی تجدید پسند مذہبی عقائد و تصورات کو جدید تعلیم یافتہ اور عقليت پسند طبقے کے لیے قابل قبول بنانے کی کوشش میں خود سیکولر علم کے دام ہم رنگ زمیں کا شکار ہو گئے، اور نتیجتاً کم از کم جدت پسند مسیحی علماء اور سیکولر اہل فکر کے خیالات میں جو ہری اعتبار سے کچھ زیادہ فرقہ باقی نہ رہا۔ وہ اہل فکر جوانا نکار خدا اور مذہب سے کلی انحراف کے انداز میں نہیں بلکہ خدا و مذہب اور وحی کے کسی حد تک اثبات کے سے انداز میں لوگوں کو عقليت پسندانہ نقطہ نظر کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، ان کا انداز استدلال بھی اس طرح کا ہوتا کہ ان کے نتیجہ بحث سے متفق انسان اپنے آپ کو خدا، مذہب اور وحی جیسے تصورات سے انکار پر مجبور پاتا۔ کانت کی معروف کتاب limits of reason Religion within the alone کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک مذہب کی وہی صورت قابل قبول ہے، جس میں کوئی چیز عقل سے ماوراء ہو۔ اس کا کہنا ہے کہ مذہب کی بنیاد عقل پر ہونی چاہیے نہ کہ وحی پر۔ وہ وحی کو ایک غیر میقینی ذریعہ علم قرار دیتا ہے، جس پر معاملات کی بنیاد رکھنا گمراہی ہے۔ وحی آدمیوں کے پاس آدمیوں ہی کے ذریعے سے پہنچتی ہے، جن سے غلطی ہونا عین ممکن ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آدمی کے پاس براہ راست خدا کی طرف سے آتی ہے، تو بھی آدمی کو اس کی تعبیر میں غلطی نہ لگنے کی کیا ضمانت ہے؟ حضرت ابراہیم کا خواب میں اپنے میٹے کو بھیڑ کی طرح قربان کرنے کا حکم اسی قبیل سے ہے۔ ایسی صورت میں بندہ انتہائی درجے کے غلط کام کا خطروہ مول لیتا ہے۔ (5) جب وحی کو انسانی افکار و خیالات کی سطح پر لے آیا گیا تو لوگوں کے ذہنوں سے وحی کی غیر معمولی اہمیت اور اس کا یہ تصور کمزور پڑنا میقینی ہو گیا کہ وحی پیغمبر تک اللہ کی طرف سے پہنچنے والے وہ الفاظ و ارشادات ہوتے ہیں، جو نہایت حفاظت و صیانت کے ساتھ پیغمبر تک یوں پہنچا دیئے جاتے ہیں کہ اسے ان کے سمجھنے میں کسی ابہام یا خلط معانی سے دو چار نہیں ہونا پڑتا۔ اس لیے کہ خدا نے پیغمبر کو معصوم عن الخطا بنا یا ہوتا ہے اور اس کو خدا کی طرف سے عطا ہونے والی عصمت کا تقاضا ہے کہ وہ وحی خداوندی کو، اگر لفظی ہو تو لفظی اور معنوی ہو تو معنوی اعتبار سے صحیح الفاظ و معانی کے ساتھ بغیر کسی خطا اور غلطی تعبیر کے لوگوں تک پہنچا دے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے جو عقلی و علمی مہم چلی اس نے مذہب سے دامن وابستہ رکھنے والے عیسائیوں میں رفتہ رفتہ اس عقیدے کو نہایت پختہ کر دیا کہ وحی کوئی خارج سے آنے والی چیز نہیں بلکہ ایک داخلی فیضان والہام ہے۔ Erich W. Bethmann لکھتا ہے:

“Inspiration, in this Christian Sense, is not to be conceived as one of external impartation and reception. It is rather that man or women whom God raised up and providentially qualified to do this work, spoke and wrote the words of God when inspired, not as from without but as from within, and that not passively but in the most conscious possession and the most exalted exercise of their own powers of intellect, emotion and will” (6)

مُثُلَّگری و اٹ نے مسیحی تصور و حجی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہت سے عیسائیوں کا صدیوں سے یہ اعتقاد رہا ہے کہ باہل کے الفاظ خود خدا کے الفاظ ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح مسلمانوں کے نزدیک قرآن کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں، تاہم مسیحیوں کے نزدیک اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ الفاظ خدا نے خارجی طور پر کسی فرشتے کے ذریعے مصنفوں کتب مقدسہ تک پہنچائے۔ بلکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ مصنفوں کتب مقدسہ اس طور سے انسپایر (Inspire) کیے گے کہ جو الفاظ انہیوں نے لکھے وہ درحقیقت خدا ہی کے الفاظ تھے۔ انبیاء عبد عتیق جب یہ اعلان کیا کرتے کہ ”خدا نے یوں فرمایا“ تو ان کا اعتقاد بالیقین یہی ہوتا تھا کہ جو الفاظ وہ اپنے منہ سے نکال رہے ہیں، وہ ایک لحاظ سے خدا ہی کا ایمان ہیں۔ (7) مسٹرو اٹ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"The Bible, as a whole is called 'the word of God'. This conception of revelation, however, is modified by the fact that Christians regard the life and activity of Jesus as revelatory. Indeed Jesus is also called 'the word of God'. Where this point of is given weight, the previous conception of revelation is felt to be verbal and mechanical, and is partly abandoned" (8).

یہاں سردست واث کے بیان پر کوئی تفصیلی تبصرہ مقصود نہیں تاہم حیرت ہے کہ جناب واث مذکورہ مسکی تصور الفاظ خدا کو مسلم تصور الفاظ خدا سے کیسے مماثل قرار دے رہے ہیں حالانکہ واث کے اپنے بیان ہی کی روشنی میں ویکھیں تو ہر دو تصورات میں واضح اور بدینبی فرق نظر آئے گا۔ کجا یہ تصور کہ الفاظ قرآنی وہ الفاظ خدا of (Words of) تصور کہ الفاظ خدا

وی اور مغربی و استری اپنے لکھرے۔ ایک جائزہ

God ہیں جو خدا نے خارجی طور پر بذریعہ جریل حضور ﷺ تک پہنچائے اور کجا یہ تصور کہ مولفین کتب مقدسہ نے داخلی فیضان والہام کی کیفیت میں جو کچھ لکھا وہ خدا کے الفاظ ہیں یا انہیے عہد عتیق جب یہ کہا کرتے کہ ”خدا نے یوں فرمایا“ تو ان کا اعتقاد یہ ہوتا کہ اب وہ جو کچھ کہیں گے خدا ہی کا بیان ہو گا یا بائیبل اس اعتبار سے The word ہے کہ حضرت مسیح of God ہیں۔

مسٹروٹ جدید مسیحی تصور وہی سے متعلق John Macquarrie کے حوالے سے
باتھ (Barth) کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The main trend in recent Christian thought is to regard revelation as an activity of God. In revelation God is revealing himself, and therefore revelation when it has the form of language, has to be understood as God's act "(9).

آگے چل کر اس نقطہ نظر کو ایک دوسرے انداز میں L. S. Thornton کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"... revelation has to be conceived as a mode of divine activity by which the Creator communicates himself to man and, by so doing, evokes man's response and cooperation." (10).

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ واث صاحب کے پیش کردہ مسیحی تصور وہی اور اسلامی تصور وہی میں خاص افرق ہے مگر موصوف دونوں کا ایک ثابت کرنے پر مصروف آتے ہیں:

" ... the words quoted above of Christianity could be used exactly of Islamic revelation." (11).

واضح رہے کہ مستشرق واط کی مسلم تصور الفاظ خداوندی کو مسیحی تصور الفاظ خداوندی سے ہم آہنگ کرنے کی مذکورہ کوشش مے مقصود رہی حقیقت قرآن کو الفاظ خداوندی ثابت کرنا نہیں بلکہ اس سے مطلوب یہ نتیجہ نکالنا ہے کہ اگر بالفرض قرآن کو الفاظ خداوندی بھی مان لیا جائے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآنی الفاظ خارج سے بذریعہ جریل نازل ہونے والے ٹھیک ٹھیک خدائی الفاظ ہیں اور یوں قرآن کو بائیبل کی سطح پر لا کر مسلم تصور الفاظ خدا

وندی کو اس مسیحی تصور الفاظ خداوندی سے بالکل مماثل بنادیا ہے جس کو Erich W. Bethmann نے نہایت واضح اور سادہ الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

"The Bible is God's word in the sense that it presents to us divine truth in human form, divine truth in earthen vessels. Rightly understood, this very humanity of the Bible is a proof of its divinity." (12)

جباں تک حضور اکرم ﷺ پر نزول وحی کے حوالے سے مستشرقین کا خیالات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ وہ حضور پر بذریعہ جریل نزول وحی یا آپ تک خدا کی طرف سے خارج سے کسی پیغام کے پہنچنے کا ہر دور میں انکار کرتے رہے ہیں۔ استشر اقی لٹرپیچر میں عہد خرافات سے لے کر معروضی علم و تحقیق کے جدید زمانے تک مختلف خیالات و استدلالات کے باوصف یہ قدر ہر جگہ مشترک نظر آتی ہے کہ حضور کو خارج سے کوئی وحی موصول نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ تصور ان کے ہاں امکانات کے دائرے میں بھی داخل ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں اس موقف کی تائید میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ مشہور مستشرق شنگری واث اپنی کتاب Islamic revelation in Modern world روایات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"...Since, even if they are authentic, they do not prove that Muhammad really received messaged from God; similarly, if they are not authentic, their absence does not prove that he did not receive such messages." (13).

واث کے مذکورہ الفاظ پر غور کیجئے۔ وہ نزول وحی کے مختلف طریقوں سے متعلق روایات کے حوالے سے دو امکانات کا ذکر کر رہے ہیں۔ پہلا امکان یہ ہے کہ اگر یہ روایات درست ہیں تو بھی ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت محمد ﷺ کو خدا کی طرف سے حقیقتاً پیغامات موصول ہوتے تھے۔ دوسرا امکان یہ کہ اگر یہ روایات نامعتبر ہوں تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کو ایسے پیغامات موصول نہیں ہوتے تھے۔ دکھانے کی بات یہ ہے کہ جہاں امکان نہیں کا ذکر تھا وہاں تو بڑے زور سے messages from God کے الفاظ استعمال کیے اور جہاں امکان

وچ اور مغربی و استشراقی تکر۔ ایک جائزہ

اثبتات کا ذکر تھا وہاں صرف receive such messages کہنا کافی سمجھا گیا۔ کیوں؟ رُفم کے خیال میں اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ حضور کو پیغامات موصول ہوتے تھے تو بھی یہ ماننا ضروری نہیں کہ یہ پیغامات خدا کی طرف سے تھے۔

اس ضمنی مثال کے بعد آئیے اب حضور پر نزول وچ کے حوالے سے قدیم وجد یاد استشراقی خیالات کا سراغ لگائیں۔ حضور سے متعلق اہل مغرب کی افسانوی کہانیوں میں آپ پر وچ کی جو توجیہ کی گئی ہے، وہ تھا مس کارلائل Thomas carlyle کی کتاب On Heroes and Heroworship کے حوالے سے کچھ یوں ملتی ہے:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کبوتر کو سدھار رکھا تھا جو آپ کے کندھے پر بیٹھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان سے دانے چڑکرتا۔ اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خیال گزرتا کہ فرشتہ ان سے باتیں کر رہا ہے۔ اور آپ پر دوسروں کو بھی یہی تاثر دیتے کہ آپ پر وچ نازل ہو رہی ہے۔“ (14)

قرون وسطیٰ کے مستشرقین حضور کی ذات والاصفات سے متعلق کوئی الزام یا افسانہ تراشنے کے لیے کسی بنیاد کی ضرورت محسوس نہ کیا کرتے تھے، جیسا کہ کبوتر کے مذکورہ بالا افسانے کے حوالے سے کارلائل کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پوکاک (Pococke) نے گروشس (Grotious) سے، جو وچ الہی سے انکار اور کبوتر پالنے کی بے مغز کہانی کا مصنف ہے، پوچھا کہ تمہارے پاس اس کہانی کا کیا ثبوت ہے، تو اس نے انتہائی ڈھنائی سے جواب دیا کہ ”کوئی ثبوت نہیں۔“ (15) گویا اس زمانے میں اہل مغرب کی ہاں ذات رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) وہ مجمع عیوب تھی، جس کی طرف بغیر ثبوت کے کوئی بھی برائی بلا جھبک منسوب کی جا سکتی تھی (16)۔

یہ تو تھی قرون وسطیٰ کی صورت حال جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام کے لیے کسی بنیاد کی ضرورت محسوس نہ کی جاتی تھی، لیکن عصر تہذیب میں مستشرقین نے اپنے رویے میں یہ تبدیلی پیدا کی کہ وہ اپنے الزامات کی تائید کے لیے قرآن و حدیث اور سیر و تاریخ کی کتابوں سے استشهاد کی کوشش کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں انہیں کہیں کوئی ذرا سا اشارہ بھی مل جائے تو وہ رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کتب تاریخ و سیرت میں منقول بعض واقعات کو صحیح تان کریا افسانہ گھڑا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) مرگ کے مریض تھے اور آپ پر مرگ کے جودوں سے پڑتے تھے ان کو آپ وچ سمجھ بیٹھے تھے۔ ویم میور حالت وچ میں آپ پر طاری ہونے والی کیفیات کو مرگ کے دوروں سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”ان دوروں کو جن کو حلیمه صرع کی قسم کے حملے سمجھ کر ڈرائی تھی محمد ﷺ کے مزاج میں ان مضطرباتوں اور بیہوش کنندہ غشتوں کے صریح آثار نمودار تھے جونزول وحی کے ہوتے تھے اور شاید جن کے سبب ان کے دل میں نزول وحی کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ اور ان کے تبعین نے ان اضطرابوں اور غشتوں کو نزول وحی کا شاہد قرار دیا تھا۔“ (17)۔

گویا مستشرق موصوف کہنا ہے کہ آپ جس حالت کو نزول وحی کی حالت قرار دیتے تھے اس قسم کی کیفیات سے آپ بچپن میں بھی گزرے تھے، یعنی بچپن میں بھی آپ پرمگی کے دور پڑتے تھے اور انہیں دوروں نے آپ کے دل میں یخواہش پیدا کر دی تھی کہ آپ اپنے اور نزول وحی کا دعویٰ کریں، مستشرق مذکور ایک دوسری جگہ قطر از ہے:

"There where periods at which the excitement took the shape of a trance or vision. Of these we know but little. Some Christian Writers have connected them with the symptoms noticed in his childhood. Such swoons or reveries are said sometimes to have preceded "The decent of inspiration" even later life." (18).

نزول وحی کے وقت چہرہ انور کے آثار میں تبدیلی اور پشاوی سے پسینے کے قطرے ٹکنے کا ذکر احادیث طیبہ میں موجود ہے۔ ولیم میور وحی کو مرگی کے دوروں سے تعبیر کرنے کے لیے اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ آپ ﷺ حالت وحی میں اس طرح زمین پر گر پڑتے تھے، جس طرح کوئی شخص حالت وجد میں زمین پر گر پڑتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"At the moment of inspiration ...anxiety pressed upon the prophet, and his countenance became troubled. Sweat dropped from his forehead, and he would fall to the ground as in a trance." (19).

آنحضرت ﷺ پر وحی الہی کو مرگی کے دوروں سے صرف ولیم میور ہی نے تعبیر نہیں کیا کہ بلکہ مرون و سلطی اور بعد کے ادوار کے متعدد مستشرقین بھی یہی کہتے رہے ہیں کہ آنحضرت جس کیفیت کو نزول وحی قرار دیتے تھے وہ دراصل ان کے مرض صرع کا کرشمہ تھا۔ محمد غلیفہ کے الفاظ میں:

" San Pedro and other orientalists of the Middle Ages and later have asserted that the prophet was an epileptic or possessed

by demons, in an attempt to explain the divine revelations. Much more recently Rodinson dubbed it as auditory visual hallucination." (20)

یہ تھا قرون وسطیٰ اور اس کے بعد کا دور۔ اب ذرا جدید دور میں قدم رکھیے۔ جب خود متعدد نامور مستشرقین ہی کی طرف سے مرگی کے الزام کی زبردست تردید ہونے لگی اور یہ سوال اٹھایا گیا کہ یہ کیون ممکن ہے کہ ایک مرگی زدہ آدمی ایک عظیم الشان پیغمبر، قانون عطا کرنے والا اور کامیابوں کی انتہائی بلندیوں کو بچونے والا بن کر سامنے آئے؟ (21) اور جب آپ پر اس الزام کو تاریخی تنقید کے خلاف گناہ کا ارتکاب قرار دیا جانے لگا (22)، تو مستشرقین نے پینتربالا اور حضور ﷺ پر نزول وحی کی جدید فلسفیانہ توجیہات کی جانے لگیں۔ اب خیال ظاہر کیا جانے لگا کہ حضور ﷺ جن خیالات و تصورات کو وحی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے، وہ آپ کے اپنے لاشعور سے ابھرے تھے۔ ہاں البتہ مستشرقین کے اس مشترک موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی کہ حضور پر خارج سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ حضور ﷺ پر وحی کی جدید استرشاتی توجیہات میں سب سے پر زور طریقے سے پیش کی جانے والی توجیہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو عقائد اور نظام اخلاق پیش کیا وہ آپ کے لاشعور سے شعور میں آنے والے وہ خیالات تھے، جو کہ اس زمانے کے حالات کا فاطری عمل تھے۔ منتظری واث کے الفاظ میں:

"...a new religion cannot come into being without a sufficient motive. In the experience of Muhammad and his early followers there must have been some need which was satisfied by the practices and doctrines of the embryonic religion." (23)

حضور ﷺ پر وحی الہی سے انکار کے موقف کی تائید میں مذہبی خیالات کے collective unconscious کی پیداوار ہونے کا نظریہ بھی بڑے شدومد سے پیش کیا گیا:

"... most religious ideas emerge from the collective unconscious into consciousness, and most religious practice is the conscious response to those ideas." (24).

مسٹرو اٹ وضاحت کرتے ہیں کہ مذکورہ تصور کے مطابق یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے مشمولات

سب کے سب collective unconscious سے ابھرے ہیں۔ گویا خارج سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی سب مذاہب اپنے زمانے کے حالات و واقعات کا فطری عمل ہیں۔ (25) رہی یہ بات کہ حضور ﷺ کا کہنا تو یہ تھا کہ مجھ پر خارج سے بذریعہ جبریل وحی نازل ہوتی ہے تو اس کی توجیہ یوں کی گئی کہ محمد ﷺ کو اپنے کام میں مخلص سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اپنے عقائد میں صحیح راستے پر تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی مخلص ہوا با ایس ہمہ وہ غلط راستے پر ہو۔ ممکن ہے آدمی بعض خیالات کو خارج سے آتا ہو محسوس کرے لیکن درحقیقت وہ اس کے اپنے ہی الشعور سے ابھرے ہوں:

"To say that Muhammad was sincere does not imply that he was correct in his beliefs. A man may be sincere but mistaken... What seems to man to come from outside himself, may actually come from his unconscious." (26)

وحی سے متعلق استشرافتی فکر خلاصہ:

مستشرقین کے سیکولر ہن رکھنے والے طبقے نے سرے سے وحی کے انکار پر زور دیا اور یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ انسانی عقل و ادراک سے ماوراء کسی علم کی طلب سر اسرار فضول اور لا یعنی ہے۔ انسان کو جو کچھ مطلوب ہے وہ عقل و ادراک کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ذرا مذہبی ذہن کے حامل مستشرقین، جو وحی سے بالکلیہ انکار نہ کرنے میں مصلحت سمجھتے تھے، وحی کی ایسی تشریح کرنے لگے کہ ان کے اور اول الذکر مستشرقین کے انکار میں جو ہر ہی اعتبار سے کچھ فرق باقی نہ رہا۔ ان کے نزدیک پیغمبر وہ کو وحی کی تعبیر میں غلطی نہ لگنے کی کوئی ضمانت نہیں، لہذا وحی کو یقینی ذریعہ علم سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ مستشرقین کے ایک طبقے نے نہایت چا بدستی سے ان انبیاء کی وحی سے، جن پر وہ خود ایمان رکھتا ہے، صرف نظر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی وحی سے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یوگ کبھی حضور کی وحی کو نفیتی کمزوری اور بیماری کا نام دیتے ہیں، کبھی مرگ کے دوروں سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی آپ کے گرد و پیش کے حالات کا فطری عمل اور آپ کے اندر سے اٹھنے والے خیالات قرار دیتے ہیں، جن کو آپ غلطی سے بذریعہ جبریل خارج سے نازل ہونے والی وحی تصور کر بیٹھے تھے۔

وہی سے متعلق استراتیجی فکر کا مختصر جائزہ:

اوپر وہی کے حوالے سے مستشرقین کے خیالات پیش کے گئے۔ ذیل کی سطور میں ان خیالات کا مستشرقین کے انکار کے اہم نکات کے تاظر میں، مختلف عنوانات کے تحت مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ضرورت وہی:

مستشرقین کا نزول وہی سے انکار (27) اور مغربی اہل فکر کے ہاں عام رواج پا جانے والا یہ خیال کہ انسان کو عقل و ادراک سے ماوراء کچھ مطلوب نہیں اور وہی کی ضرورت کا عقیدہ ایک فضول ولائعنی اور خرافاتی و خلاف عقل تخلیل ہے، کوتاه بینی اور بہت دھرمی کاشاخانہ ہے۔ حق یہ ہے کہ وہی انسان کی فطری ضرورت ہے۔ انسان جسم و روح سے مرکب ہے۔ خالق ہست و بودنے انسان کے جسمانی نشوونما اور اس کی مادی زندگی کی ترقی و فلاح کے لیے کارگاہ وجود کو رنگارنگ نقش و نگار سے سجاویا اور ایک مخصوص و محکم نظام کے تحت قطعی وحتمی وسائل حیات کا اہتمام کیا۔ تو جو خالق اپنی رب العالمین کے تحت ایسے قدرتی وسائل و ذرائع فراہم کر رہا ہے جو انسان کی مادی زندگی اور بقا کے لیے ضروری ہیں اور جن کی صنعت و تخلیق میں انسان کے دست ایجاد کو بھی دخل نہیں، اس کی رب العالمین اور رحمت سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ انسانی ترکیب کے دوسرے عضر یعنی روح کی زندگی اور بقا کے لیے کسی طرح کا کوئی اہتمام نہ کرے؟ تاریخ انسانی صحف سماوی اور عقل سلیم شاہد ہے کہ خالق کائنات نے ہر دو کے لیے وسائل و ذرائع کا اہتمام کیا ہے۔ روحانی زندگی سے متعلق عطاۓ ربی ہدایت سے عبارت ہے۔ ہدایت خداوندی کے مختلف مدارج ہیں۔ پہلا درجہ طبیعت حیوانی کا فطری اور اندر ورنی الہام ہے، جسے ہدایت و جدان کہا جاسکتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایک بچ پیدا ہوتے ہی غذا کے لیے رونے لگتا ہے اور کسی خارجی رہنمائی کے بغیر ماں کی چھاتی منہ میں لیتے ہی اسے چوستا اور اپنی غذا حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ ہدایت و جدان کی ایک شکل ہے۔ ہدایت و جدان سے اگلا درجہ ہدایت حواس ہے۔ یہ ہدایت ہمیں دیکھنے، سننے، چھونے اور سو گھنٹے کی قوتیں بخشتی ہے، جن کے ذریعے ہمیں خارج کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ہدایت کے مذکورہ دونوں درجے انسان اور حیوان سب کے لیے ہیں۔ ان درجوں سے اوپر انسان کا اختصاص شروع ہوتا ہے۔ انسان سے مخصوص اور پہلے دونوں درجوں سے بلندتر درجہ عقل کی ہدایت ہے۔ وجدان کی ہدایت آدمی میں سمعی و طلب کا اولہہ پیدا کرتی ہے، حواس معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور عقل تنائج و احکام مرتب کرتی ہے۔ ہدایت کے ان تینوں درجوں میں سے ہر درجہ اپنی قوت عمل کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے اور

نہیں ہوتی

اہنا تو یہ تھا

مخلص سمجھا

مخلص ہوبا

س کے اپنے

was co

What

come f

لروانے کی

مطلوب ہے

کلیہ انکار نہ

میں جو ہری

لہذا وہی کو

کن پر وہ خود

اکرنے کی

س سے تعمیر

بالات قرار

اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہدایت و جدان سعی و طلب کا جوش پیدا کرتی ہے لیکن اس سے ہم اپنے وجود سے باہر موجودات کا اور اک حاصل نہیں کر سکتے۔ وجدان کی اس درماندگی میں حواس کی دشیگری نمایاں ہوتی ہے اور ہم وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیاء کا اور اک کر لیتے ہیں۔ لیکن حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد تک ہی کام دے سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آنکھ صرف اسی حالت میں دیکھ سکتی ہے جب دیکھنے کی تمام شرطیں پوری ہوں۔ اگر ایک شرط بھی معصوم ہو مثلاً روشنی نہ ہو یا فاصلہ زیادہ ہو تو ہم آنکھ رکھتے ہوئے بھی ایک چیز کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے۔ علاوہ ازیں حواس کی ہدایت صرف اتنا ہی کر سکتی ہے کہ اشیاء کا احساس پیدا کر دے، لیکن محض احساس کافی نہیں ہمیں استنباط و استنتاج کی ضرورت ہے، احکام کی ضرورت ہے، کلیات کی ضرورت ہے اور یہ کام عقل کی ہدایت کا ہے۔ مزید برآں جس طرح وجدان کی نگرانی کے لیے حواس کی ضرورت تھی حواس کی تصحیح و نگرانی کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ سورج ایک سنہری تھاں ہے عقل ہمارے اس حصی اور اک کی غلطی کی اصلاح کر کے بتلاتی ہے کہ سورج ایک عظیم الشان کرہ ہے۔ علی ہذا القیاس حواس کی درماندگیوں میں حقیقت کا سراغ عقل کے بغیر نہیں مل سکتا۔ لیکن سلسلہ ہدایت بینیں ختم نہیں ہو جاتا کیونکہ عقل کی کارفرمائی کا دائرہ بھی محسوسات تک محدود ہے۔ محسوسات کی سرحد سے آگے پہنچ کر عقل بھی یہ قلم درماندہ ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں عقل نہ تو ہر حال میں کافی ہے اور نہ ہر حال میں موثر۔ کائنات کی لاتعداد صد اقتیان ایسی ہیں جن سے متعلق عقل کی نارسانی کا اعتراض بڑے بڑے عقلیت پسند اور مادہ پرست فاسیوں اور مفکرین تک نہ کیا ہے۔ چنانچہ عقل کی درماندگیوں میں رہنمائی کے لیے چوتھے اور اعلیٰ ترین درجہ ہدایت کی ضرورت تھی اور پروردگار عالم نے انسان کو اس سے محروم نہیں رکھا بلکہ اپنی ربوبیت اور رحمت کے اقتضا سے ہدایت وحی کی صورت میں اس آخری اور اعلیٰ ترین مرتبہ ہدایت کا بھی سامان کر دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر سوہہ فاتح وحی کی ضرورت و احتیاج کے حوالے سے غیر معمولی علمی مقام کی حامل ہے۔ وہ ضرورت وحی کو نہایت مدل انداز میں واضح کرتے ہوئے وحی کے ثبوت میں وجدان، حواس اور عقل کے مراتب ہدایت پر نہایت تفصیلی اور پرمغزگنگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر خدا نے وجدان کے ساتھ حواس بھی دیے تاکہ وجدان کی لغزشوں میں نگرانی کریں اور اگر حواس کے ساتھ عقل بھی دی تاکہ حواس کی غلطیوں میں قاضی و حاکم ہو تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دیتا تاکہ عقل کی درماندگیوں میں رہنا اور فیصلہ کرن ہوتا۔ قرآن کہتا ہے ضروری تھا اور اسی لیے اللہ کی ربوبیت نے ایک چوتھے مرتبہ ہدایت کا بھی سامان کر دیا۔ یہی مرتبہ ہدایت ہے جسے وہ وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے۔ (28)

جن لوگوں کا کہنا ہے کہ عقل جس طرح انسان کی مادی زندگی کی ترقی میں رہنمائی کرتی ہے۔ اخلاق و روحانیات کے میدان میں بھی اسی طرح شیعہ ہدایت بن سکتی ہے، اور اس کا ناخن تدبیونوں جگہ پیچیدہ مشکل مسائل کی گردہ کشائی میں کارگر ثابت ہو سکتا ہے، بخت غلطی پر ہیں۔ تاریخ انسانی شاہد ہے کہ انسان نے جب بھی روحانی و مابعدالطبعی مسائل کی عقدہ کشائی میں عقل محض کو رہنمابنیا اسے شدید ٹھوکر لگی ہے۔ فلسفہ اشراق ہی کو دیکھ لیجئے۔ اس کے علمبردار عقل محض کی قیادت میں روحانیات کے میدان میں تلاش حق کے لیے نکلے تھے۔ لیکن جب عقل محض کی قیادت را ہ طلب کی جائیں گسل صعوبتوں کی حریف نہ بن سکی تو انجام کارروادی حیرت میں گم ہو کر بیٹھ رہے۔ مقام عبرت ہے کہ اس فلسفہ کے علمبردار نہ صرف خدا کو مانے بلکہ اسے کائنات میں جاری و ساری، منج خیر، حقیقت و احده اور انسانی روح کا پرتو مانے اور اخلاق و روحانیت کے چند رہنما و اعاظت حسنے کے باوجود تمام دنیا کا ذکر ہی کیا، کسی ایک انسانی سوسائٹی میں بھی عظیم الشان روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہی نہیں بلکہ اثاثے عملی جدو جہد سے محروم اور اس کی عملی قوتوں کو اس درجہ مخصوصی کر دیا کہ وہ از کار رفتہ ہو کر رہ گئیں۔ یہ ناکامی و نادری صرف فلسفہ اشراق ہی کی تقدیر نہ تھی بلکہ ہر اس فلسفہ کا مقدر بنی ہے اور قیامت تک بنتی رہے گی جو روحانیات و مابعد الطبعیات کے میدان میں وحی الہی کی روشنی کے بغیر را طلب پر روانہ ہوا۔

یہاں ایک اہم نکتہ قبل توجہ ہے۔ جو لوگ وجود خدا کے منکر ہیں ان کا ضرورت وحی سے انکار سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن جو وجود خدا کے قائل اور اسے کائنات میں جاری و ساری مانے کے باوجود عقل کے سوا کسی اور مرتبہ ہدایت کے قائل نہیں ان کو مولانا آزاد کے الفاظ میں اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ وہ ذات خدا اگر رب العالمین ہے اور اس کے فیضانِ ربو بیت کا حال یہ ہے کہ ہر ذرہ کے لیے سیرابی اور ہر چیزوں کے لیے کار سازی رکھتی ہے تو کیونکہ باور کیا جائے کہ انسان کی روحانی سعادت کے لیے اس کے پاس کوئی سرچشمگی نہیں۔ اس کی پروردگاری اجسام کی پرورش کے لیے تو آسمان سے پانی برساتی ہے لیکن ارواح کے پرورش کے لیے ایک قطرہ فیض بھی نہیں رکھتی۔ زمین شادابی سے محروم ہو جائے تو باراں رحمت نمودار ہو کر زمین کے ایک ایک ذرہ کو زندگی کی برکتوں سے مالا مال کر دیتی ہے، لیکن عالم انسانیت سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو تو اس کی باراں رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو پیام زندگی نہیں پہنچاتی۔ (29) وہ خدا جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے کیا تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے گا؟ وہ جو ستاروں کی روشن علامتوں سے بیبانوں اور سمندروں میں تھماری رہنمائی کرتا ہے، کیا تمہاری روح کو چھوڑ دے گا کہ بھٹکتی رہے اور اس کے لیے کوئی روشنی نہ ہو؟ تم اس بات پر تو بھی متوجہ نہیں ہوتے کہ کہیت

لہلہار ہے ہیں اور باران رحمت برس رہی ہے، پھر اس پر کیوں متعجب ہوتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لیے سامان زندگی مہیا ہے اور خدا کی وحی نازل ہو رہی ہے؟، افسوس تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوہ بیت کی بڑی ہی ناقدرتی کی۔ (30) نیز ایسے لوگوں کو مولانا محمد تقی عثمانی کے الفاظ میں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے اور وہی اس کے مضبوط و مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے اور اس نے انسان کو ایک خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے اندر ہیرے میں چھوڑ دیا ہوا اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو بروئے کار لاسکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کس نوکر کو خاص مقصد کے تحت سفر پر بھیجنے والے اور اسے چلتے وقت نہ اس کے سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اس پر واضح کرے کہ

اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے اور سفر کے دوران اس کی ڈیوبٹی کیا ہو گی؟ جب ایک معمولی تم کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیے کیا جا سکتا ہے، جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں۔ (31)

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کو یہ ماننا پڑے گا اور انہیں یہ ماننے میں کچھ دشواری بھی نہیں ہوئی چاہیے کہ خدا نے عالم انسانیت کی روحانی سعادت و شادابی کے لیے باران رحمت کا خصوصی انتظام اور اس کی روحانی رہنمائی کے لیے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا ہے۔ روحانی سعادت کی پہی بارش اور رہنمائی کا پہی باقاعدہ نظام وحی الٰہی ہے۔ لہذا جب انسان مادی کائنات کے محیر العقول نظام اور باران رحمت سے مردہ زمین کے زندہ ہو جانے پر متعجب نہیں ہوتا تو اس کے پاس روحانی رہنمائی کے باقاعدہ نظام اور وحی الٰہی کے ظہور سے مردہ رہوں میں زندگی کی جنیش پیدا ہو جانے پر چونکہ اُنھنے کا کچھ جواز نہیں۔

وحی اور انیما:

عالم انسانیت کے لیے وحی کے ضروری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وحی ہر کس وہاں کو ملتی ہے، بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو منتخب فرماتا ہے۔ یہ خاص بندگان خدا جنہیں انیما و رسول کہا جاتا ہے، پیام الٰہی

وصول کر کے عام انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔ گویا انبیا وہ سفراء ہیں جن کے ذریعے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچتا ہے۔ علامہ ابوالشکور سالمی لکھتے ہیں:

”لَمَّا وَجَبَ الْأَمْرُ وَالنَّهُ مِنْ طَرِيقِ الْحُكْمِ فَانَّهُ لَا يَكُونُ بِدُونِ الْخُطَابِ لَا يَكُونُ بِدُونِ السَّفَرَاءِ وَهُمُ الرَّسُلُ وَالنَّبِيُّونَ“ (32)

یہ سوال کہ انبیاء بھی تو آخر انسان ہی ہوتے ہیں، پھر ان میں آخر کون سی ایسی خصوصیت ہے کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے اور وہ خدا کے کلام کو سمجھتے بھی ہیں، لیکن ان کے علاوہ کوئی اور شخص شرف خطاب ایزدی سے بہرہ اندو زنہیں ہو سکتا، مسلم علماء متکلمین کے ہاں خصوصی اور تفصیلی بحث کا موضوع رہا ہے۔ علماء متکلمین نے اپنے طول طویل مباحثت میں تمام انسانوں کے مقابلہ میں انبیا کے ان اختیارات و خصائص کو واضح کرنے کی کوشش ہے، جن کی بنیاد پر وہ خصوصی طور پر وحی الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ (33) تاہم حق یہ ہے کہ اسی سلسلہ میں متکلمین کی بحثیں بالعموم حقیقت حال کو صحیح طور پر واضح نہیں کرتیں کیونکہ وہ اپنی موشکانیوں سے وحی کو عام طور پر ایک فطری ملکہ بناؤ لتے ہیں (34) حالانکہ نبوت اور نبی کے مہبٹ وحی ہونے کا صحیح اذعان غیر نبی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ خداوند قدوس انبیا کو تحصیل وحی کے لیے خصوصی طور پر تیار کرتا ہے۔ کوئی انسان محض فطری قوتوں کے کمال کی وجہ سے نبی نہیں ہو جاتا اور نہ ہی اس کا دل مہبٹ وحی بننے کے قابل ہو جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ برورے آیات قرآنیہ وَ اللَّهُ يَخْتَصُ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ۔ (35) (اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ - (36) ذلك فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ) (37)، اپنے خصوصی کرم سے جسے چاہتا ہے نبی بنادیتا اور اس پر اپنی وحی اور کلام نازل فرمادیتا ہے۔ وحی و نبوت کے فطری ملکہ کا نظریہ مستشرقین کے ان باطل اور تعصب و غلط فہمی پر مبنی خیالات کو حق مان لینا ہے، جن کی رو سے وہ نبی کی پیش کردہ وحی والہام کوئی خارجی پیام کی بجائے محض نبی کی غیر معمولی قوتوں اور حالات کے فطری رد عمل کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی پر وحی خارجی سے نازل ہوتی ہے اور ملکہ فطری کا فلسفہ یا تقویٰ نانیوں کے اثر سے متعزل اور پھر مگر قدیم متکلمین کے ہاں مروون ہوا یا پھر مستشرقین اور مغربی اہل فکر کے واسطے سے جدید مسلم تجدوں کے افکار میں راہ پا گیا۔

حقیقت نزول وحی اور عقل:

ایک ایمان کی حقیقت سے آشنا شخص کو تو یہ ماننے میں کچھ تامل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر مختلف طریقوں سے، وحی نازل فرماتا ہے۔ لیکن ایک مادہ پست اور مستشرقین کی وسوسہ اندازیوں سے متاثر شخص کو وحی کے

خارج سے نزول کا تصور اب جھن میں بنتا کرتا ہے۔ اس کو یہ بات اجنبی اور ناماؤس معلوم ہوتی ہے کہ ایک انسان کا عالم بالا سے ایسا تعلق قائم ہو جائے کہ وہ مادی اسباب و ذرائع کے بغیر اللہ کا پیغام وصول کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی مشکل اور اب جھن وجود خدا کے منکر کسی دہر یہ کو پیش آئے تو آئے، ایک صاحب ایمان شخص کو اس سلسلہ میں کسی عقلی استبعاد و استحباب کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر دنیا کے سائدان اپنی عقل اور تجربے سے پیغام رسانی کے لیے ٹیلی فون، ٹیلی گراف، ٹیلی ویژن انٹرنیٹ اور دیگر حیرت انگیز آلات ایجاد کر سکتے ہیں تو کیا خالق کائنات کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا ایک ایسا سلسلہ قائم فرمادے، جو ان تمام ذرائع مواصلات سے مضبوط و مستحکم اور یقینی ہو۔ وحی والہام بقول مولانا عبدالحق حقانی خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ایک پیغام یا ایسا برتنی تاریخ ہے جس کے ذریعہ مخلوقات اپنے خالق سے ہمکلام ہوتی ہیں۔ خالق مخلوق میں باہم مماثلت و مشاکلت نہ ہونے کے باوجود ایک طرح کا ربط، بہر حال موجود ہے اور اس امر میں انسان ہی نہیں حیوانات، جمادات، اور زمین و آسمان سب شریک ہیں۔ دیگر مخلوقات کی فطری وحی سے انسان کی طرف آئیں تو یہاں ایک دوسری قسم کی وحی کا سراغ ملتا ہے۔ انسان دو قوتوں، قوت ملکیتی اور قوت بیہمیہ کا حامل ہے۔ یہ دونوں قوتیں کہیں تو باہم مصالحت کر کے رہتی ہیں۔ اور کہیں کشاکشی و تنازع کے صدمے سہتی ہیں۔ پھر یہی یہ غالب اور کبھی بر عکس و مغلوب، ان قوی کے اجماع سے بے شمار مراتب پیدا ہوتے ہیں۔ الہام وحی سے ہر فرد پر فیضیاب ہے، لیکن قوی ملکیتی و بیہمیہ کے ضعف و شدت کے اعتبار سے علی حسب مراتب حصہ ملتا ہے۔ جب قوت ملکیتی غالب آتی ہے تو اچھے خیالات سوچتے ہیں اور جب اس کے بر عکس کے سبھی سوچتی ہیں۔ لیکن انسان کی سعادت و شقاوتوں کی باتیں، جنہیں شریعت کہا جاتا ہے، ہر کس و ناکس کے الہام وحی پر چھوڑنے کے قابل نہ تھیں، لہذا ان کی خاطر ایسے اشخاص کا الہام ضروری تھا جو قوت بیہمیہ کی تشویشات اور شواہد بشریہ سے معصوم ہوں اور ان کا الہام بھی نہایت اعلیٰ درجہ پر ہو، جس کو وحی بواسطہ جبریل کہتے ہیں۔ (38) جبریل امین چونکہ نہایت درجہ کے ملائکہ مقربین میں سے ہیں اس لیے انہیں خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا ہر وقت آسان ہے۔ لیکن خدا اور فرشتوں کا باہم کلام ہماری دنیا میں معروف آواز و حروف سے نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مطلاوبہ مضامین کو ادا کرنے کے لیے بمنزلہ آلات ہیں۔ تاہم کبھی ہم بھی ان حروف و اصوات اور تلفظ کے بغیر باہم کلام کر لیتے ہیں۔ خواب میں ہم زبان کے بغیر بولتے اور ظاہری آنکھ کے بغیر دیکھتے ہیں۔ یہی نہیں بعض اخیار قوت روحانیہ کے ذریعہ صد ہاکوں کے فاصلہ سے بات چیت کر سکتے ہیں اور تاریخی وغیرہ آلات سے ہم لب بند کر کے اور خاموش رہ کر کلام

کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جریل علیہ السلام علم الہی سے، جسے قلم اور لوح محفوظ کہا جاتا ہے، مطلع ہو کر اور اس سے الفاظ تلقین پا کر حضور ﷺ کو حسب حاجت پہنچا جاتے تھے۔ قرآن کریم کی عالم مثال میں ایک خاص صورت ہے، جس کو بیت المعمور میں یکبارگی نازل کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جریل امین نازل شدہ قرآن کو اس سے تطبیق دے کر آنحضرتو کو نہایت اچھے طریقے سے یاد کردا ہے اور آیات کی ترتیب باعتبار لفظیم و تاخیر بھی اسی کے مطابق مقرر کر دیا کرتے تھے۔ اور حضور اکرم ﷺ قرآن کے الفاظ و معانی کو جریل سے حاصل کر کے اچھی طرح حفظ کر لینے کے ساتھ ساتھ حفاظ کو یاد کردا ہے اور کتابتیں وچی کو لکھوادیتے تھے۔ (39)

اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک پوشیدہ رابطہ ہونے کے ناطے وچی کی اصل حقیقت اور کیفیت صرف نبی ہی سمجھ سکتا ہے اور اس رابطے کو انسان کے مصنوعی روابط پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم عقلیت ذہن کے لیے مسمیریزم یا مقناطیسی عمل تو نیم کے انسانی تجربے کی مثال پیش کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ سوئٹر لینڈ کے مشہور ماہر طبیعتیات میسر (Mesmer) (م 1815ء) نے انسانی دماغ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور 1775ء میں اپنے ایک مقالے کے ذریعے انکشاف کیا کہ ایک مقناطیسی عمل کے ذریعے انسان کے دماغ کو سخت کیا جاسکتا ہے۔ میسر اپنے اس انکشاف اور اس پر کامیاب عملی تجربوں کے باوجود اپنے دور کے لوگوں کو پوری طرح مطمئن نہ کر سکا۔ لیکن اس کے اتباع میں انگلینڈ کے ایک شخص جیمز بریڈ (James Braid) نے تو نیم مقناطیسی کے اس عمل کو سائنسی نیفک بنیادوں پر ثابت کر کے اس کا نام عمل تو نیم یا ہپنائزم (Hypnatism) رکھا۔ ہپنائزم کے اس عمل میں عامل اپنے معمول کے نہایت عضلات و اعصاب کو بالکل جامد اور بے حس کر سکتا ہے، تاہم اگر تو نیم کا عمل ذرا بیکھرا ہو تو معمول اس لائق رہتا ہے کہ وہ مختلف اشیاء کا دراک کر سکے۔ مثلاً اس حالت میں یہ ممکن ہے کہ معمول عامل کی ہدایات کے مطابق خود کو کوئی اور شخصیت یقین کر لے۔ اسے کچھ خاص چیزیں، جو فی الواقع وہاں موجود نہ ہوں، نظر آن لگیں یا وہ اپنے عامل کی ہدایات کے تابع اپنے اندر ایک غیر معمولی حس محسوس کرنے لگے۔ (40) شیخ محمد عبدالعزیم نے عمل تو نیم کے حوالے سے ایک چشم دید واقعہ نقل کر کے نزول وچی کی حقیقت کو عقلی اعتبار سے قبل فہم انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جمیعت شبان اسلامیین کے زیر اہتمام ایک مجلس میں، جہاں تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی تو نیم مقناطیسی کا تجربہ کیا گیا۔ ہوا یوں کہ اوسط درجے کی استعداد کا ایک نوجوان لا یا گیا۔ تو نیم مقناطیسی کے ایک ماہر استاد نے اس نوجوان کی آنکھوں میں گہری نگاہیں مرکوز کر کے اپنا مخصوص عمل شروع کیا۔ ایک لمحہ بھی نہ گز را تھا کہ ہم نے دیکھا وہ نوجوان سوتے ہوئے شخص کی طرح خراٹے لے رہا ہے۔ اس کا رنگ بدل گیا

اور جسم بے حس ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے دو تین افراد نے کئی مرتبہ اس کے جسم میں سوئی چھوٹی گمراں نے کوئی حرکت نہ کی۔ ہم کو یقین ہو گیا کہ یہ مصنوعی نیند سو گیا ہے۔ اس حالت میں استاد نے اس پر تسلط حاصل کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تمیر انام کیا ہے؟ اس نے اپنا اصل نام بتایا۔ استاد نے کہا تمہارا نام یہ نہیں بلکہ یہ ہے، اور اسے ایک دوسرا نام بتادیا۔ اس کے بعد استاد یہ نیا نام نوجوان کے ذہن میں ڈالتا رہا اور پرانا نام مٹاتا رہا، یہاں تک کہ نوجوان نے استاد کی بات مان لی۔ اس کے بعد استاد نے بھی اور ہم نے بھی اس کے پرانے نام سے بار بار پکارا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن جب اس کے نئے نام سے، جو استاد نے اسکے ذہن میں اتنا رکھا، پکارا تو اس نے جواب دے دیا۔ اس کے بعد استاد نے کہا کہ وہ اس نئے نام کو یاد رکھے اور بیدار ہونے کے بعد بھی نصف گھنٹے تک اسی نام کو یاد رکھے اور پھر استاد نے اسے بیدار کر دیا۔ مگر جب ہم نے اسے اصلی نام سے پکارا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا، اور جب اسے نئے نام سے پکارا تو جواب دے دیا۔ جب مقررہ نصف گھنٹہ گزرا، نوجوان پھر اپنی پہلی حالت پر پہنچ آیا اور اسے اپنا اصلی نام یاد آگیا۔ اس تجربے کو جب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کافی سے سنا تو وحی کی حقیقت میری عقل کے اوپر قریب آگئی۔ فرشتے کے ذریعے وحی کا اتنا دراصل ملک اور رسول کے درمیان اس اتصال اور ربط پہنچی ہوتا ہے، جس میں فرشتہ رسول کے دل و دماغ پر اثر ڈالتا ہے اور رسول اس سے اثر قبول کرتا ہے اور یہ دونوں کے اندر تاثیر اور ناشر کی ایک مخصوص استعداد کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ فرشتے کے اندر القا اور تاثیر کی قوت ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ خالص روحانی مخلوق ہے اور رسول کے اندر پیغام وصول کرنے کی قابلیت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کی روحانیت صاف اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ جب فرشتے کا رسول پر تسلط اور اس سے تعلق قائم ہو جاتا تھا تو وہ اپنی نارمل حالت سے نکل جاتے تھے۔ وہ فرشتے سے وحی وصول کرنے اور سیکھنے میں پوری طرح مستغرق اور متوجہ ہو جاتے تھے، اور جو کچھ انہوں نے فرشتے سے لیے ہوتا تھا، وہ ان کے دل پر طبع اور نقش ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی اصلی حالات پر واپس آتے تو جو کچھ انہوں نے سیکھا ہوتا، اسے اپنے صحیفہ قلب پر مرقوم پاتے۔ کیا تم یہ گماں کر سکتے ہو کہ مخلوق تو اس کی استطاعت رکھتی ہے کہ وہ دوسری مخلوق کے نقش پر تنویم مقناعیں کے عمل کے ذریعے اثر ڈال سکے، لیکن قتوں اور صلاحیتوں کا خالق نعمود باللہ یہ قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے دل میں وحی کے ذریعے کوئی پیغام اتار سکے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ خداوندوں کو جو چاہے کر سکتا ہے۔ (41)

انبیاء اور صحیتِ تحصیل و ابلاغ وحی:

مستشرقین اور مغربی اہل فکر کے وحی سے متعلق مباحثت کا ایک پہلو انبیا کی صحیتِ تحصیل و ابلاغ وحی سے متعلق اعتراضات اور شکوہ و شبہات بھی ہے۔ وحی پر استشراقی و مغربی خیالات کے ذیل میں کافی کے حضرت ابراہیم کے خواب میں ذنکِ اسماعیل سے متعلق واقعہ کو ابراہیم علیہ اسلام کی غلطی تعبیر پر محول کرنے سے متعلق خیالات کا ذکر گزرا چکا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انبیا کا وحی کو وصول کرنے اور لوگوں تک پہنچانے کے سلسلہ میں کسی قسم کی غلطی تعبیر یا آمیزش شیطانی سے دوچار ہونا ایک نہایت ہی مغالطہ آمیز مفروضہ ہے، جسے غالباً وحی کی غلطاندیشی اور مستشرقین کی اسلام دشمنی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس طرح کے خیالات یا توبہ طینتی و تعصب یا پھر قدرت خداوندی و حقیقتِ نبوت سے ناواقفیت کی دلیل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر تک خدا کی وحی نہایت حفاظت و صیانت کے ساتھ پہنچائی جاتی ہے۔ پیغمبر موصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اس کو خدا کی طرف سے عطا ہونے والی اس عصمت کا تقاضا ہے کہ وہ وحی الہی کو، اگر لفظی ہو تو لفظی اور معنوی ہو تو معنوی ہر اعتبار سے صحیح صحیح الفاظ و معانی کے ساتھ بغیر کسی خطا اور غلطی تعبیر کے لوگوں تک پہنچاوے۔ خدا تعالیٰ نے اس بات کا خصوصی انتظام کر رکھا ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا کی طرف سے ملنے والی وحی کو وصول کرنے کے سلسلہ میں کسی بھی طرح کے ابہام اور خلط معانی سے دوچار نہ ہو۔ انبیاء کو خدا کی طرف سے ملنے والی ہدایت کی خصوصی حفاظت سے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:

فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا。 لِيَعْلَمَ أَنْ قَدَّابَلَغُوا رِسْلَتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ

بِمَا لَدَنِيهِمْ وَأَخْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَذَّدًا۔ (42)

حضرت ابراہیم کے خواب سے متعلق ہر زہ سرائی کرنے والے اگر اس واقعہ سے متعلق قرآنی بیانات پر نگاہ ڈالیں تو ان پر حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حالت بیداری میں نازل ہونے والی وحی تو ایک طرف خواب میں ملنے والی وحی سے متعلق بھی نہ صرف یہ کہ پیغمبروں کچھ شکنہ ہوتا تھا بلکہ ان کے سعادت مند بیٹے بھی اس کو بغیر کسی الہام کے وحی خداوندی سمجھتے تھے۔ قرآن کی مطابق جب اسماعیلؑ حضرت ابراہیم کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پیچھتے ہیں تو حضرت ابراہیم اسماعیلؑ سے کہتے ہیں: یَسْنَى إِنَّى أَرَى فِي السَّمَاءِ إِنَّى أَذَّبْحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَأَبْتَ

أَفْعَلُ مَا تُؤْمِرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (43) اب اس میں غور طلب امر ہے کہ حضرت ابراہیم کے الفاظ میں کہیں وحی خداوندی کا ذکر ہے اور نہ ذنکِ اسماعیل سے متعلق کسی حکم خداوندی کا۔ آپ صرف یہ کہہ رہے ہیں ہیں

کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ سعادت مند بیٹا جھٹ سمجھ جاتا ہے کہ خواب وحی الہی ہے، اور کہتا ہے کہ آپ کو حکم ہوا اس میں دیکھی؟ تو جس نبی کا نہایت کم سن بیٹا اس درجہ صاحب بصیرت ہو، اسے وحی الہی کو سمجھنے میں کیسے غلطی لگ سکتی ہے۔

جباں تک حضورؐ کی وحی میں آمیزش شیطانی کے واقعہ یا قصہ غرائیق کا تعلق ہے تو یہ گو بعض مسلمانوں کی تصنیفات میں مذکور ہے، مسلم علماء محققین نے اسے نہایت لغو اور موضوع روایات پر منی افسانہ قرار دیا ہے۔ مولانا حقانی اسے سخت جھوٹ اور مخدوش کی بناوٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (44) مولانا مودودی کے نزدیک کوئی مومن ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں مان سکتا کہ آنحضرتؐ پر وحی کی ایسے مشتبہ طریقے سے آتی تھی کہ جبریل کے ساتھ شیاطین بھی آپ پر کوئی لفظ القا کر جائے اور آپ اس غلطی فہمی میں رہیں کہ یہ لفظ بھی جبریل ہی لائے ہیں۔ (45) ڈاکٹر شیخ محمد بن محمد ابو شھبہ نے متعدد آئندہ کے اقوال نقل کر کے اس قصے سے متعلق روایات کو موضوع ثابت کیا ہے۔ (46) علامہ محمد صادق ابراہیم عربجون نے اس قصہ کو دشمنان اسلام کا گھڑا ہوا افسانہ فرار دیتے ہوئے نہایت سختی سے رد کیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”وَهِيَ أَقْصُو صَةٍ“ مختلقۃ ”باطل“ فی اصلها و فصلها و اکذوبة ”خیشه“ فی جُدُرها
واغصانها و فریة ”متزند قة“ اختر قها (غرنوق) ابله او شیخ حاقد“ علی الاسلام
زندیق ”او منافق“ فاجر ”عربید“ الْفَیْ بِهَا إِلَیه شیطان ”عابث“ مرید”。 (47)
لہذا پیغمبر کے تخلیل و ابلاغ وحی کے سلسلہ میں القاء شیطانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انبیاء کا تو خیر
مرتبہ ہی بہت بلند ہے، قرآن کی رو سے اللہ کے صاحب ایمان اور نیک و پارسا غیر نبی بندوں پر بھی شیطان کا کچھ بس
نہیں چلتا: إِنَّهُ لَیَسَ لَهُ سُلْطَنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَلَى رَبِّهِمْ يَنَوْكُلُونَ۔ (48) إِنَّ عَبَادَیِ لَیَسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
سُلْطَنٌ وَ كَفْی بِرَبِّكَ وَ كَبِيلٌ۔ (49) سوجب ایمان، خلوص اور توکل کی صفات سے متصف غیر نبی بندگان خدا کا
شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو ان نفوس تدیسہ پر کیسے غلبہ پاسکتا ہے، جو دنیا میں آتے ہی خلق خدا کو شیطان کے شر سے پا
کر دے بارخداوند قدوس میں حاضر کرنے کے لیے ہیں۔

وحی، دیگر انبیاء اور نبی آخر زمان:

وحی پر مستشرقون کے افکار و خیالات کے ضمن میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مستشرقین کے وحی سے متعلق افسانے و خرافات ہوں یا ”معروضی تحقیق“، ہر جگہ قدر مشترک یہ نظر آئے گی کہ حضور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آتی

تھی۔ واضح رہے کہ مستشرقین کی طرف سے یہ کوئی انوکھا اکشاف نہیں ہے بلکہ ان کے آباؤ اجداد یعنی قرآن کے زمانہ نزول کے یہود و نصاری بھی حضور پر نزول وی کا انکار کرتے تھے۔ قرآن کریم نے آیت مبارکہ انہا اُو حَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا اُو حَيْنَا إِلَى نُوحَ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالآ سُبَّاتِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهُرُونَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيَّنَا دَاوَدَ زَبُورًا۔ (50) کے ذریعے یہود و نصاری اور مانوں کی ہے۔ مولا نا مومن ایک بن بھی آپ ن محمد بن محمد علامہ محمد بابا ہے۔ ان جذرها الاسلام یاء کا تو خیر کا کچھ لس ک علیہم گان خدا کا شرستے بچا

حقیقت ہے۔ آپ سے قبل ہزاروں انبیاء آئے اور سب پر وی نازل ہوتی رہی۔ یہ لوگ خود پہچلنے انبیاء مثلًا ابراہیم، اسماعیل، اسحق، یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون، سلیمان اور داؤد وغیرہ علیہم السلام پر نزول وی کے قائل ہیں، پھر حضور پر نزول وی کے باب میں ہی مضطرب کیوں ہیں؟ یہ آیت یہود و نصاری اور مستشرقین کے اعتراضات کے حوالے سے علمی و عقلی اعتبار سے جھٹ قاطع ہے۔ جو لوگ وی کے قائل نہیں یا بعثت انبیاء کو نہیں مانتے، وہ اگر بھی آخر ازماں پر وی کا انکار کریں تو معذور ہیں، لیکن جو دیگر رسولوں کے نام لیوا اور ان پر نزول وی کے قائل ہیں، ان کا حضور پر وی نازل ہونے سے انکا محض ہٹ دھرمی اور ضد کے سوا کچھ نہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا پہچلنے اور کتب پر بھی ایمان صحیح نہیں ہے، کیونکہ بوجب آیت قرآنی لیکن الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقْبَلُونَ الصَّلَاةَ وَالْمُوْتُونَ الزَّكُوَّةَ وَالْمُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَئِكَ سَنُّ تَهْمُمُ أَجْرًا عَظِيمًا (51)، جو لوگ کتب اسلامی کی حقیقی تعلیم سے واقف، صاحب ایمان اور ہر قسم کے تعصب، جاہل نہ ضد، آبا کی تقلید اور نفس کی بنگی سے آزاد ہیں، ان کی روشن توبیہ ہے کہ وہ یہ نظریہ محسوس کر لیتے ہیں کہ حضور پر نازل ہونے والی وی وہی ہے جو پہچلنے انبیاء کو ملتی رہی ہے، اور وہ بے لگ حق پرستی سے دونوں پر ایمان لے آتے ہیں۔

جہاں تک مستشرقین کی طرف سے حضور پر نزول وی کو صرع سے تعبیر کرنے کا تعلق ہے، تو اس الزام کی لغویت کے ثبوت کے لیے بھی کہنا کافی ہے کہ خود مستشرقین کی کثیر تعداد نے اس کی تختی سے تردید کی ہے اور اب کوئی بھی صاحب علم مستشرق اس کا قائل نہیں رہا۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس انتہائی بے سرو پا الزام کے تفصیلی تجزیہ کے بجائے یہاں چند نمایاں مستشرقین ہی کا آراءً عقل کردو جائیں۔

اے گیوم، جس نے خصوصیت سے آنحضرتؐ کی احادیث کو نشانہ تم بنایا ہے، آپ پر مرگ کے الزام کی پر زور تدید کرتا ہے۔ وہ اس الزام کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف تعصّب کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"The charge had been made by a Byzantine writer long before such a hypothesis seems gratuitous and can safely be ascribed to anti-Mohammedan prejudice. "(52)

مستشرق مذکور آگے چل کر حضورؐ کی بے مثل دانشمندی، جنگوں میں حرمت انگیز کامیابی اور سخت ترین مخالفت کے باوجود نہایت عزم واستقلال سے کوششیں جاری رکھتے ہوئے اہل عرب کو اسلام پر مجتمع کر دینے کی شہادتوں کی بنیاد پر الزام صرع کی تردید کرتے ہوئے قطعاً راز ہے:

"Muhammad was a man whose common sense never failed him. Those who deny his mental and psychic stability do so only by ignoring the overwhelming evidence of his shrewd appraisal of others and of the significance of what was going on the world of his time and his persistence in the face of constant opposition until he united his people in the religion of Islam. Had he ever collapsed in the strain of battle or controversy, or fainted away when strong action was called for, a case might be made out. But all the evidence we have points in the opposite direction and the suggestion of epilepsy is as groundless in the eyes of the present writer as it is offensive to all Muslims."(53)

مشہور مورخ ایڈورڈ گین حضور پر مرگ کے الزام کو تھیوفیٹر، زونارس اور دوسرے یونانیوں کی نامعقول تہہت قرار دیتے ہوئے، جسے ہونگر پریڈ اور مراثی کے شدید تعصّبات نے نعمت غیر متقبہ سمجھ کر قبول کر لیا، لکھتا ہے:

"The epilepsy, or falling sickness of Muhammad, is asserted by Theophanes, Zonaras and the rest of the Greeks; and is greedily

swallowed by the gross bigotry of Hottinger,...Prideaux... and Maracci...."(54)

گہن کے نزدیک حضور پرمگی کی تہمت اس قدر مہمل ہے کہ اس کے خیال میں یہ ان لوگوں کے لیے بھی سخت نقصان دہ ہے، جو حضور کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ پرمگی کے لیے بے ہودہ الزام سے جو آپ کی ذات پر کسی طرح فٹ نہیں ہو سکتا، اثاث آپ کے لیے ترمم کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اس کے الفاظ ہیں:

"His epileptic fits and absurd calumny of the Greeks would be an object of pity rather than abhorrence." (55)

قرآن کے حکیمانہ بیانات، حضور کے اخلاص، آپ کے پیروں کے آپ پر مکمل اعتقاد اور صدیوں کے تجربے کے حوالے سے الرا مشرع کی تردید کرتے ہوئے قطر از ہے:

"The allegation that his periods of revelation were, in reality, epileptic seizures is palpably false; for in such an attack the victim is never coherent enough to voice passages as complex or as intellectually profound as are so many that form the Quran. The sincerity with which he undertook his task, the complete faith that his followers had in his revelations and the test of centuries make it unlikely that Muhammad was guilty of any kind of deliberate deception." (56)

منگمری وال جو اسلام اور پیغمبر اسلام پر دیگر بہت سے حوالوں سے معارض ہے، اپنے ہم قبیلہ مستشرقین کے الرا مشرع کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ نزول وحی کے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش آنے والی بعض کیفیات سے مغربی نقادوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ مرگی کے مریض تھے، لیکن یہ نظریہ کوئی حقیقی بنیاد نہیں رکھتا۔ مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیتی ہے، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس قسم کی کوئی آثار نظر نہیں آتے، اس کے برعکس آپ کے تمام ذہنی و جسمانی قوی آخر تک بالکل صحیح سلامت تھے۔ (57) ای۔ ڈرمگھم نے نہایت پر زور الفاظ میں اس الرا کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اعتبار سے دنیا کے واحد پیغمبر ہیں، جن کی زندگی ایک کھلی

کتاب کی طرح ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں۔ آپ پر کسی ذہنی بیماری کا انداز صرف عقل سلیم سے عاری انسان ہی عائد کرتے ہیں۔ یہاں موازنہ نہیں بلکہ اظہار حقیقت مقصود ہے کہ عہد نامہ قدیم کے پیغمبر کتنے مغضوب الغصب تھے۔ اور تو اور عہد جدید میں حضرت مسیح جیسے جلیم اور نرم دل کو بھی ہم غصے اور طیش سے مغلوب ہوتے دیکھتے ہیں، اور ایسی زبان بھی بولتے سنتے ہیں، جو شاستہ قرار نہیں دی جاسکتی۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بڑے سے بڑا معترض کوئی ایک بھی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے، جب آپ نے خود پر غصے اور طیش کو غالب کر دیا ہو؟ کیا کسی ایسے واقعہ کی نشاندہی کی جاسکتی ہے، جب آپ نے غیر شاستہ زبان استعمال کی ہو؟ کوئی معترض اور نقاد بھی آپ کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ بیان نہیں کر سکتا، جب کسی مرض یا تکلیف کی وجہ سے آپ کسی میدان جنگ یا زمانہ امن میں کسی بیماری کے دورے کے زیر اثر آئے ہوں۔ کوئی ایسا واقعہ ان کی زندگی میں نہیں ملتا، جس سے انکی جسمانی یا ذہنی صحت کے علیل ہونے کا سراغ ملتا ہو۔ ان کی جسمانی اور ذہنی صحت قابلِ ریشک تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں چالیس فوجی مہینیں روانہ کیں جن میں سے ایک اندازے کے مطابق تمیں جنگوں میں آپ نفس نیس شریک ہوئے۔ ہر جنگ میں جس فراست جس شجاعت اور جنگی حکمتِ عملی اور مہارت کا ثبوت آپ نے فراہم کیا، کیا وہ کسی ایسے شخص کے لیے ممکن ہو سکتا ہے، جو کسی بھی نوع کی بیماری میں مبتلا ہو؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک، صحت مند اور تو انداختی کو بیمار کہنے والے درحقیقت خود ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں (58)۔ یہی وہ روشن حقائق ہیں جن کی بنا پر بہت سے جدید مغربی محققین کو حضور پر مرگی کا انداز لگانے کو تاریخی تقدیم کے خلاف ایک گناہ کا رتکاب قرار دینا بڑا اے گیوم کے الفاظ ہیں:

"...most modern writers, as opposed to those of the last generation are of this opinion. To base such a theory on a legend which on the face of it has no historical foundation is a sin against historical criticism." (59)

وہی اور صحتِ الفاظ و معنی:

اہلِ اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں بعینہ وہی الہی ہیں۔ علمائے اسلام نے مستشرقین اور مغربی اہل فکر کے اعتراضات سے مربعوب اور تغلسف و عقليت سے مغلوب مسلم تجدید پسندوں کے اس دعویٰ کی زبردست تردید کی ہے کہ قرآن معنی و مطالب کے لحاظ سے وہی خداوندی ہے اور الفاظ قرآنی حضور کے اپنے ہیں۔ وہی قرآن کے سلسلہ میں ایسا ہر گز نہیں ہوتا تھا کہ قلب نبوی پر صرف مطالب و معانی کا القا کر دیا جائے، جس کو

الفاظ کا جامہ حضورؐ نہ پہناتے ہوں یا جریل علیہ السلام وحی کے مطالب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوں یا وحی مجرد فکر کی شکل میں دل پر القا ہوتی ہو جس کو حضور اپنے الفاظ میں ادا کرتے ہوں بلکہ قرآن کے الفاظ و معانی ہر دو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے تھے جس کو حضور بعینہ لوگوں تک پہنچادیتے تھے۔ قرآن کی متعدد آیات اس کے معانی کے ساتھ ساتھ الفاظ کے بھی بعینہ وحی الہی ہونے کی ناطق دلیل ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے: *إِنَّمَا يُعَيِّمُهُ بَشَرُ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمَىٰ وَ هَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ*۔ (60) ایک دوسری جگہ فرمایا: *وَ لَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَيِّمُهُ بَشَرُ لِسَانٌ عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ*۔ (61) اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن کا صرف مفہوم بذریعہ وحی نازل ہوتا تو قرآن کے عربی میں نزول کے کچھ معنی ہی نہ تھے، کیونکہ عربیت الفاظ کی صفت ہے معانی کی نہیں۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضورؐ سے یاد کرنے کی غرض سے اپنی زبان مبارک کو جلدی جلدی حرکت دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو کوئی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ فکر مند ہوں وحی کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے: *لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَسْعَ حَلَّ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَةً وَ قُرْآنَهُ*۔ (62) اگر وحی الفاظ خداوندی نہ ہوتی اور حضورؐ نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کرنا ہوتا تو حضورؐ کو سے یاد کرنے کی فکر کی ضرورت تھی اور نہ اللہ تعالیٰ کو اسے آپ کے سینہ اقدس میں محفوظ رکھنے اور پڑھاوادیئے کی ذمداری لینے کی۔ علاوہ ازیں بروئے آیت *رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ أَيْشَكَ وَ يُعَيِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُنَزِّكُهُمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ* (63) حضورؐ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ ساتھ تلاوت آیات بھی شامل ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی وحی الہی ہیں، کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے، معنی کی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ کے وحی ہونے سے انکار کرنے والوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وحی کے ذریعے الفاظ کا نزول ان کی عقلیت زدگی کے لیے بارگراں ہے۔ لیکن وحی کی عقلی ضرورت اور اس کے غیر عقلی اعتراضات کے ضمن میں جو اور بحث کی گئی ہے، اس کی روشنی میں یہ مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ اگر وحی واقعتاً ایک ضرورت ہے اور خدا اس پر قادر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مطالب و معنی تو قلب نبوی پر اتار سکے لیکن الفاظ اتار نے پر قادر نہ ہو۔ لہذا یہ تصور بالکل باطل اور ذہنی کرم خودگی کی دلیل ہے کہ الفاظ قرآنی وحی کے ذریعے نازل نہیں کیے گئے یا وحی کا بالفاظ نہ زد عقلًا ممکن نہیں۔

حاصل بحث:

حاصل بحث یہ ہے کہ وحی کی ضرورت عقلًا ثابت ہے۔ وحی کا انکار کرنے والے انسان کی فطرت اس کی ضرورت و حاجت اور کائنات میں اس کی حیثیت سے بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات اور اس کی حقیقت کے

صحیح اور اک سے بھی قاصر ہیں۔ مستشرقین اور مغربی مفکرین کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ انہیاً کو وحی کی تعبیر میں غلطی لگ سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ نہایت محفوظ طریقے سے وحی پیغامبروں تک پہنچاتا ہے۔ یہ سمجھنے والے قطعی طور پر برخود غلط ہیں کہ وحی ایک ملکہ فطری کا نام ہے اور بذریعہ فرشتہ نازل نہیں ہوتی۔ بذریعہ فرشتہ خارج سے نزول وحی کی تصدیق نہ صرف صحف سماوی سے ہوتی ہے بلکہ عقولاً بھی اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ آنحضرت پر زوال وحی کا انکار کرنے والے یا اس کی طرح طرح کی توجیہات باطلہ کرنے والے مستشرقین اس حقیقت پر کیوں غور نہیں کرتے کہ حضور اس سلسلہ میں منفرد نہیں ہیں بلکہ موسیٰ و عیسیٰ پر بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے، جن پر نزول وحی کے خود مستشرقین قائل ہیں۔ اس حقیقت کو جھلانے کا واضح مطلب یہ ہے کہ مستشرقین اپنے دعوے میں سخت تعصب سے کام لے رہے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

1. Mill, J.S, Nature, Utility of Religion and Theism, London, MDCCCL XXIV, 3rd ed. P. 120.
2. Kant, Immanuel, Religion within the limits of reason alone, New York, 1960, P X.
3. Longman, Published by, Supernatural religion, London, 1874, Vol. II. P. 492.
4. Ibid. P. 491.
5. Kant, Immanuel, OP.Cit. P. 175.
6. Bethman, Erick W., Steps toward understanding Islam, Washington, D.C., American Friends of Middle East, Inc. 1996, P.6.
7. Watt, W. Montgomery, Islamic revelation in the Modern World, Great Britain, Edinburgh University Press, 1969, PP. 5-6.
8. Ibid. P. 6.
9. Ibid., Cf. Macquarrie, Jhon, God-talk: an examination of the language and logic of theology, london, 1967.
10. Watt, W. Montgomery, Op.Cit. P. 6. Cf Thornton, L.S.,

- غلطی لگ
غلط ہیں کہ
ت نہ صرف
اے یا اس
سلسلہ میں
پیل۔ اس
- revelation and the Modern World, London, 1950, P. 194
11. Watt, Montgomery , Op.Cit. P. 7.
 12. Bethmann,Erick W., Op.Cit. P.6
 13. Watt, W. Montgomery, Op.Cit. P.16.
 14. Carlyle, Thomas, On heroes and Heroworship , New York, Everyman Liberary, 1973, P. 279.
 15. Ibid.
- ۱۶۔ اہل مغرب قرون وسطی میں آنحضرتؐ کی ذات سنتودہ صفات اور دین اسلام سے، ہر وہ برائی و گمراہی، جو بنی نواع
انسانی کے ہاں متصور تھی، جس ڈھنائی سے منسوب کر دیا کرتے تھے اس کے قدر تے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:
1. Armstrong, Keren, Muhammad: Western Attempt to understanding Islam, London, 1991, PP 22-24.
 2. سرسید احمد خاں، سیرت محمدی، لاہور: مقبول اکیڈمی، 1997، ص 232-233.
 18. Muir, William, Muhammad and Islam, London, Religion Trackt Society, N.D. P. 22.
 19. Ibid. P. 24.
 20. Muhammad Khalifa, The Sublime Quran and Orientalism, London & New York, Longman,, 1983, P. 12.
 21. Morgan, K. W. Ed., Islam Interpreted by Muslims, London, Ronald Press, 1958, P. 56.
 22. Guillaume, A, Islam, Harmondsworth, Pelican Books, 1961, P. 25.
 23. Watt, W. M., Muhammad: Prophet and Statesman, Oxford University Press, 1961, P. 14.
 24. Idem, Islamic Revelation in the Modern World, P. 109.
 25. Ibid. P. 110.

26. Idem, Muhammad: Prophet and Statesman, P. 17.

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مستشرقین، جو اکثر و بیشتر یہودی و عیسائی ہیں اور جو خود بھی عموماً انبیاء نبی اسرائیل پر نزولِ حق کے قائل ہیں، وحی کی ضرورت اور اس کے نزول کا انکار کیسے کر سکتے ہیں؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات آدمی صد اور رسولوں کی تردید میں اس حد تک دور نکل جاتا ہے کہ وہ بعض ان چیزوں کو بھی رد کر دیتا ہے، جو اس کے اپنے عقیدہ کا حصہ ہوتی ہیں۔ یہ بات آج کے مستشرقین تک محدود نہیں، قرآن کے زمانہ نزول کے یہود و نصاری کا روایہ بھی یہی تھا اور اس کی شہادت خود قرآن سے ملتی ہے کہ کس طرح وہ لوگ حضورؐ کی مخالفت میں اندر ہے ہو کر یہ کہنے لگے تھے کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل ہی نہیں کیا: وَمَا قَنَطُوا اللَّهَ حَقَّ
قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَ هُدًى
إِلَّا نَاسٌ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسٌ تُبُدُّونَهَا وَ تُخْفُونَ كَثِيرًا وَ عَلِمْتُمُ مَا لَمْ تَعْلَمُوا إِنْتُمْ وَ لَا أَبَاوُكُمْ قُلِ اللَّهُ
ثُمَّ دَرَّهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَأْبَعُونَ۔ (الانعام: ۶)

ابوالکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن، جلد اول، ص 174-179۔

ایضاً، ص 56۔

ایضاً، ص 459۔

محمد تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، کراچی، مکتبہ دارالعلوم، س۔ ن۔ ص 44۔

سلیمانی، ابوالشکور، اعتمید فی بیان التوحید، حلی، مطبع فاروقی، 1309ھ، ص 68-69۔

اس موضوع پر منظکمین کے مباحث کے لیے ملاحظہ ہو: شلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اور الکلام، کراچی، مسعود پیشگن ہاؤس، 1967ء، ص 199-238، سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر، مولانا، وحی الہی، کراچی، سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی، س۔ ن، ص 122-137۔

مشلاً سر سید احمد خاں نے ایسی ہی کوشش میں قرار دیا کہ نبوت ایک نظری چیز ہے جو انسان میں اس کی دوسری صفات کی طرح خلقی طور پر موجود ہوتی ہے۔ یہ نظری صفت مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے مثلاً بدایت کامل کی نظرت، ملکہ نبوت ناموس اکبر اور جریلِ اعظم وغیرہ۔ خدا اور پیغمبر میں جو اس ملکہ نبوت کے جسے جریل بھی کہا جاسکتا ہے اور کوئی اپنی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ نبی کا دل ہی وہ آئینہ ہے جس میں تجلیات ربی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہے جس میں سے کلام خدا کی آواز یہیں نہیں ہے وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بے حرفاً صوت کلام کو سنتا ہے اس کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے اسی کا عکس اس

کے دل پر پڑتا ہے جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے۔ اسکو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود ہی بوتا ہے اور خود ہی کہتا ہے وہ خود ہی اپنا کلام اپنے ظاہری کا نوں سے یوں سنتا ہے کہ گویا کوئی دوسرا شخص اس سے کلام کر رہا ہے اور اپنے آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے یوں دیکھتا ہے گویا دوسرا شخص اس کے سامنے کھڑا ہے۔ یوں تجھیے جیسے مجنون بغیر کسی بولنے والے کے اپنے کا نوں سے آوازیں سنتے ہیں۔ تنہا ہوتے ہوئے بھی اپنے سامنے کسی کو کھڑا ہوا اور بتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لہذا ایسے شخص کو جو نظرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق روحانیت میں مستغرق ہو، ایسی واردات کا پیش آنا ہرگز خلاف نظرت انسانی نہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا مجنون ہے اور دوسرا پتیمیر۔ کافر دوسرے کو بھی مجنون کہتے تھے۔ چنانچہ وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر اسی نظرت نبوت کے سبب مبداء فیاض نے نقش کیا ہے۔ یہی نقش قلمی کمی بولنے والے کی مانند ظاہری کا نوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی دوسرے بولنے والے کی شکل میں نظر آتا ہے مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز سے اور نہ بولنے والا۔ جس طرح تمام ملکات انسانی کی حمر کے پیش آنے پر اپنا کام کرتے ہیں اسی طرح ملکہ نبوت بھی کسی مخصوص امر کے پیش نظر فعال ہو جاتا ہے۔ (سرید احمد خاں، تفسیر القرآن معاصول تفسیر، ص 96-565، 578-578۔)

القرآن، البقرة: ۱۰۵۔ ۳۵

القرآن، الانعام: ۶۲۔ ۳۶

القرآن، الجمعة: ۲۲۔ ۳۷

عبدالحق حقانی، مولانا، تفسیر حقانی، جلد اول، ص 44-46۔ ۳۸

الیضا، ص 47-49۔ ۳۹

The World Family Encyclopedia, America, 1957, Vol. 12. PP.

القرآن، محمد تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، ص 47-46، الزرقانی، محمد عبدالعظیم، متأله العرفان فی علوم

القرآن، دار الحکایۃ الکتب العربیۃ، عیسیٰ البابی الخلیعی و شرکاءہ، س۔ ن، جلد اول، ص 59

الزرقاںی، محمد عبدالعظیم، متأله العرفان فی علوم القرآن، جلد اول، ص 60-62۔ ۴۰

الجنب ۲۷: ۲۷۔ ۴۱

الصَّفَقَةُ ۳۷: ۱۰۲۔ ۴۲

عبدالحق حقانی، مولانا، تفسیر حقانی، جلد اول، ص 50۔ ۴۳

مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد چھم، ص 244۔ ۴۴

ابو شعبہ، الشیخ محمد بن محمد، الدكتور، الاسراء علیات والمواضیعات فی کتب التفسیر، قاہرہ: مکتبۃ السنۃ، 1408ھ،

26.

انمیائے بنی

حقیقت یہ

کو بھی رد کر

ن کے زمانہ

حضورگی

اللہ حق

روا وہمی

کرم قل اللہ

اپنی، مسعود

عبدالحمد اکبر

کی دوسری

یت کامل کی

بریل بھی کہا

بانی کا جلوہ

بے جو خدا کے

کا عکس اس

ص 316-315

- ٣٢- عرجون، ابراهيم، محمد الصادق، محمد رسول الله، دمشق: دار القلم، 1985، جلد دوم، ص 30.
- ٣٨- القرآن، الحج، ٩٩: ١٦.
- ٣٩- بنى اسرائيل، ٢٥: ١٧.
- ٤٠- القرآن، النساء، ١٦٣: ٢.
- ٤١- القرآن، النساء، ١٦٢: ٢.

52. Guillume, Alfred, Islam, London, Cassell, 1963, P. 25.
53. Ibid. Pp. 25-26.
54. Gibbon Edward, The decline and fall of the Roman Empire, London., Dant & Sons, 1962, Vol. 5, P. 270.
55. Ibid.
56. Landau, Rom, Islam and the Arabs, London, George Allen & unwin, 1958 P. 23.
57. Watt, Montgomery, Muhammad: Prophet and Statesman, P. 19.
58. محمد احسان الحق سليماني، رسول مبين، ص ٢٢٦ - ٢٢٧.
59. Guillume, Alfred, Islam, P. 26
 - ٤٠- القرآن، يوسف، ٢: ١٢.
 - ٤١- القرآن، الحج، ١٠٣: ١٦.
 - ٤٢- القيمة، ٧: ١٢ - ١٧.
 - ٤٣- القرآن، البقرة، ١٢٩: ٢.